حکمت اور امام علی رضاؑ

پروفیسر سید فرمان حسین

حکمت کیا ہے؟

ارباب لغت نے حکمت کے معنیٰ مندرجہ ذیل بتائے ہیں:

اعلیٰ ترین علوم کے ذریعہ اعلیٰ ترین اشیاء کا علم، دانائی، علم اور معرفت، عدل وانصاف، ایسا کلام جس کے الفاظ کم اور معانی زیادہ ہوں، اصابت رائے، عدالت، فلسفہ[۱]، طب اسی بناء پر اکثر طبیب کو حکیم اور طب کو علم الحکمۃ بھی کہا جاتا ہے، دانش مندانہ بات، کیمیا، حکمت کا صحیح ترین ترجمہ دانش مندی ہے۔[۲]

اسلامی انسائیکلوپیڈیا میں کہا گیا ہے کہ حکمت اس کلام کو کہتے ہیں جو انسان کو جہالت سے روکے اور اس سے بچنے میں مدد کرے۔[۳]

حکمت دراصل ایک ایسا عظیم اثاثہ ہے جس کی قدر و قیمت، وزن اور اہمیت کا احساس ہر طبقہ میں ہے چاہے اس طبقہ کا تعلق کسی بھی فرقہ، مذہب، مسلک یا نظریہ سے ہو۔ فلسفہ جس کی اساس فکر و نظر، تعلق وتدبیر، مشاہدات و تجربات، فہم وبصیرت اور عقل و دانش پر ہے وہ بھی حکمت سے وابستہ ہونے کو اپنا طرہ امتیاز سمجھتا ہے اور نہ صرف اس پر فخر کرتا ہے بلکہ اس کی ترویج و تشویق اور تبلیغ میں وہ اپنی پوری توانائی صرف کردیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی نگاہ میں حکمت احوال موجودات کو بقدر طاقت بشری جاننے کی کیفیت کا نام ہے۔

فلسفیانہ پس منظر میں حکمت کی تشریح کے سلسلہ میں کئی مفاہیم سامنے آئے ہیں:

۱۔ جیسے حکمۃ التشریع میں کہا جاتا ہے مالحکمۃ فی ذالک، اس چیز میں کیا حکمت ہے، اس کام کی کیا وجہ ہے؟ اور اس کے پس منظر میں کیا مصلحت ہے؟

۲۔ القاموس الوحید، باب حا

۳۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، مرتبہ سید قاسم محمود، جلد دوم، ص ۸۷۸

۱۔ اشیاء کی معرفت اور ماہیت کا علم: بعض ارباب نظر کے نزدیک علم اور حکمت میں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ حکمت، علم کی ایک شاخ ہے اور حکمت و علم میں ماہیت کا نہیں بلکہ غایت اور نوعیت کا فرق ہے یعنی علم کا مقصد یہ بتانا ہے کہ کوئی چیز کیا ہے اور حکمت کا ہدف یہ ہے کہ کسی چیز کے وجود کی غایت اور غرض کیا ہے اور ہم اس کو کس طبقہ میں قرار دے سکتے ہیں۔

۲۔ جرجانی کے مطابق لفظ حکمت سے حقیقت مراد لی جاسکتی ہے لیکن اس کے ساتھ عمل کا ہونا بھی ضروری ہے یعنی عمل کے بغیر حکمت ایک خیالی مشقت ہے جو بے نتیجہ ہے اور اثر اندازی سے اور فکر انگیزی سے کوسوں دور ہے اور بغیر حکمت کے عمل ایک بے معنی و بے مقصد اور بے سمت پیروی ہے

۴۔ فلسفہ کی مشہور کتاب ہدایت الحکمہ میں بتایا گیا ہے کہ حکمت ان افعال و اعمال کو کہتے ہیں جو ہماری قدرت اور اختیار کے دائرہ میں آتے ہیں۔

۵۔ ابن سینا اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ حکمت علم و عمل کے حدود میں رہ کر روح کے ادراک کمال کا نام ہے یعنی اس میں عدل کی صفت کا کمال ہو اور نفس عاقلہ کی تکمیل بھی ہوتی ہو۔[1]

مذہبی دنیا میں بھی حکمت ایک بیش بہا دوست اور عظیم منزلت صلاحیت کا نام ہے۔ راغب اصفہانی مفردات القرآن میں فرماتے ہیں کہ لفظ حکمت جب اللہ کے لئے استعمال کیا جائے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی معرفت کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کی طرف اس کی نسبت دی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے موجودات کی صحیح معرفت اور اس کے مطابق عمل صالح۔[2]

بعض اہل علم اور صاحبان فکر نے کہا ہے کہ اس سے مراد قرآن اور سنت ہے اور بعض کے نزدیک اس کے معنی حجت قطعیہ کے ہیں۔[3]

تفسیر بحر محیط میں حکمت کے تیس معانی بتائے گئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ کہیں اس سے مراد قرآن ہے اور کہیں حدیث، کہیں علم صحیح، کہیں عمل صالح، کہیں قول صادق تو کہیں عقل سلیم، کہیں تفقہ فی الدین، کہیں اصابت رائے اور کہیں خشیۃ اللہ ہے یعنی اصل حکمت خوف خدا ہے۔[1]

۱۔ تفسیر بحر محیط بحوالہ تفسیر معارف قرآن، جلد اول در تفسیر من یوتی الحکمہ

۲۔ مفردات قرآنی، راغب اصفہانی، ذیل لفظ حکمت

۳۔ معارف قرآنی جلد اول

اسی تفسیر میں حکمت کی شناخت اس طرح کرائی گئی ہے:

والحکمة وضع الامور فی محلها علی الصواب وکمال ذالك انما یحصل بالنبوة[۱]۔ حکمت کے اصل معنی ہر شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھنے کے ہیں اور اس کمال کا مکمل حصول صرف نبوت کے درجہ سے ہی ہو سکتا ہے۔

اسی سے تفسیر میں حکمت کی تعبیر نبوت سے کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حکمت کے یہ تمام معانی تقریباً یکساں ہیں کیونکہ لفظ حکمت احکام بالکسر کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں کسی قول یا عمل کو اس کے تمام اوصاف کے ساتھ مکمل کرنا۔[۳]

تفسیر روح المعانی میں حکمت کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ انما الکلام الصواب الواقع من النفس احمل موقع۔[۴] حکمت وہ درست کلام ہے جو انسان کے دل میں اتر جائے۔

ابن عباس کے بقول حکمت، عقل، فہم اور ذکاوت کا نام ہے۔

تفسیر روح البیان[۵] میں درج ہے کہ حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کا مقصد مقتضیات احوال کو معلوم کرنا ہے یعنی انسان مقتضائے حالات کے تحت مناسب کلام کرے، وقت اور موقع کی نزاکت پر توجہ رہے۔ کلام کا رنگ و آہنگ ایسا ہو کہ مخاطب پر بار نہ ہو۔ نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار کی جائے، جہاں صراحتاً کہنے سے مخاطب کو شرمندگی ہوتی ہو وہاں اشارات سے کام لینا ہی حکمت ہے یا ایسا اندازہ اور عنوان اختیار کرنا عین حکمت ہے کہ سننے والے کو خفت اور ذلت کا احساس نہ ہو اور نہ اس میں اپنے خیال پر جم جانے کا تعصب پیدا ہو جائے۔

۱۔ تفسیر بحر محیط بحوالہ معارف قرآن جلد اول

۲۔ تفسیر بحر محیط

۳۔ تفسیر بحر محیط

۴۔ تفسیر روح البیان، ابوالثناء محمود شہاب الدین ابن عبد اللہ صلاح الدین در تشریح لفظ حکمت

۵۔ تفسیر روح البیان

حکمت اور قرآن :

قرآن نے حکمت کو بہت بلند مقام اور مرتبہ عنایت کیا ہے اور کہا ہے کہ ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً [۱] جسے حکمت مل گئی اسے خیر کثیر مل گیا۔

قرآن حکیم میں یہ لفظ بیس مقامات پر وارد ہوا ہے اور کئی معنی میں استعمال ہوا ہے مثلاً علم، عقل، حلم، بردباری، نبوت، اصابت رائے، ایسا کلام جس سے لوگ نصیحت حاصل کریں اور دلوں پر اثر پڑے۔

قرآن میں جن مقامات پر یہ لفظ آیا ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹، سورۂ بقرہ آیت ۱۵۱، سورۂ بقرہ آیت ۲۳۱، سورۂ بقرہ آیت ۲۵۱، سورۂ بقرہ آیت ۲۶۹ ، سورۂ بقرہ آیت ۲۶، سورۂ آل عمران، آیت ۴۸، سورۂ آل عمران آیت ۶۱ ، سورۂ آل عمران آیت ۱۶۴، سورہ نساء آیت ۵۴، سورۂ آل عمران آیت ۱۱۳، سورۂ مائدہ آیت ۱۱۰، سورۂ نحل آیت ۱۲۵ ، سورۂ اسراء آیت ۳۹، سورۂ لقمان آیت ۱۲، سورۂ احزاب آیت ۳۴، سورۂ ص آیت ۲۰، سورۂ زخرف آیت ۶۳، سورۂ قمر آیت ۵، سورۂ نجم آیت ۲۔

ان بیس مقامات میں سے دس مقامات پر حکمت کے ساتھ کتاب کا بھی تذکرہ ہے اور دس مقامات پر تفسیر کتاب کا ذکر ہے جو واضح اشارہ ہے کہ کتاب اور حکمت ایک نہیں بلکہ دو وجود ہیں۔

حکمت قدرت کا وہ بے بہا عطیہ ہے جو اس نے اپنے خاص منتخب بندوں اور خاص نسلوں کو ان کے بلند کردار اور پاکیزہ نفوس اور اعلیٰ معیار کی زندگی کی وجہ سے عنایت کیا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں رب العزت کا ارشاد ہے:

فقد اٰتینا آل ابراھیم الکتاب والحکمة وآتیناھم ملکا عظیماً [۲]، ہم نے ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ان کو ملک عظیم عنایت کیا ہے۔

وآتیناہ الحکمة وفصل الخطاب [۳]، اور انہیں (حضرت داؤد کو) ہم نے حکمت عطا کی اور خطاب

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۶۹

۲۔ سورہ نساء، آیت ۵۴

۳۔ سورہ ص، آیت ۲۰

کا ڈھنگ عطا کیا۔

جناب لقمان جنہیں عام طور پر ان کی حکمت سے گہری وابستگی کی بنا پر حکیم لقمان بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے لئے ارشاد ہوتا ہے: ولقد آتینا لقمان الحکمۃ [۱] ہم نے لقمان کو حکمت دی۔

واذ علمتك الكتاب والحكمة و التوراة و الانجيل [۲]، جب ہم نے تمہیں کتاب و حکمت سکھائی اور تورات و انجیل سکھایا۔

وانزل الله عليك الكتاب والحكمة وعلمك ما لم تكن تعلم [۳]، اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں وہ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔

يس والقرآن الحكيم [۴]، یٰس قرآن حکیم کی قسم۔ حکمت کی بلندی اور اہمیت و عظمت کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ پروردگار عالم نے خود کو حکیم کہا ہے۔

يسبح لله ما فی السموت وما فی الارض الملك القدوس العزيز الحكيم [۵]، زمین اور آسمان میں جو کچھ بھی ہے وہ اس اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ پاک ہے۔ غالب اور حکمتوں والا ہے۔

معلم بشریت، مربیٔ انسانیت، مجسمۂ فضیلت، حضرت ختمی مرتبت حضور سرور کائنات کے فرائض میں سے ایک فریضہ اللہ نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ وہ حکمت کی تعلیم دیتے ہیں:

هو الذی بعث فی الامين رسولا منهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة، اللہ وہ ہے جس نے امیوں میں رسول بھیجا جو ان ہی میں سے ہے، وہ ان پر آیات الٰہی کی تلاوت کرتا ہے، ان کے نفوس کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب تعلیم حکمت نبوت و رسالت کے فرائض میں شامل ہے تو فطرت شریعت اور عقل و حکمت کا یہ مطالبہ بالکل بجا اور ناقابل تنسیخ ہے کہ بعد وفات رسول ایسے لوگ موجود و قائم رہیں جو امت

۱۔ سورہ لقمان، آیت ۱۲

۲۔ سورہ مائدہ، آیت ۱۱۰

۳۔ سورہ نساء، آیت ۱۱۳

۴۔ سورہ یٰس، آیت 2-1

۵۔ سورہ جمعہ، آیت ۱

کو کتاب کے مضامین سمجھا سکیں اور اس کے مفاہیم کی تشریح کر سکیں اور حکمت کی باریکیوں اور ان کی غرض وغایات کو اجاگر کر سکیں۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی کا نام ہے امام ثامن وضامن، حکیم امت وملت امام عرب وعجم حضرت علی رضاؑ جن کی پیدائش کی تاریخ اکثر مورخین اور باخبر حضرات کے مطابق ۱۱/ ذی قعدہ ہے مگر سنہ ولادت میں اختلاف ہے۔

اہل مدینہ کی ایک جماعت کے مطابق ۱۵۳ھ ہے۔ جنابدی کے مطابق بھی یہی آپ کا سنہ ولادت ہے ایک قول کے مطابق ۱۵۱ھ ہے۔ شیخ مفید کے مطابق ۱۴۸ھ ہے اور اصول کافی میں بھی اس قول کی تائید کی گئی ہے۔[1]

نام علی ہے اور مشہور ترین لقب رضا ہے۔ آپ کے اس لقب کا کیا پس منظر، علت اور بنیاد کیا ہے اس پر بھی الگ الگ خیالات اور ارشادات ہیں۔ بعض لوگ اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ آپ کے علم وعمل اور حکمت وفضیلت کی بناء پر مامون نے آپ کو بہت پسند کیا اور ولی عہدی کے لئے آپ کا انتخاب کیا اس لئے آپ کا لقب رضا ہوا ہے مگر امام محمد تقیؑ نے اس قول کی تردید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لقب من جانب اللہ ہے کیونکہ آپ اللہ کے نزدیک برگزیدہ اور پسندیدہ تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ چونکہ امام کو حکمت ودانش وری میں بلند درجہ پر ہونے کی وجہ سے سبھی پسند کرتے تھے اس لئے آپ کا لقب رضا ہوا ہے۔

حقیقتوں کا شعور رکھنے والوں، حکمتوں کا ادراک کرنے والوں اور فلسفہ کی گہرائیوں میں اتر جانے والوں کا نظریہ ہے کہ حکمت کے دو پہلو ہوتے ہیں جنہیں الگ الگ دوناموں سے پہچانا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہیں۔ حکمت نظری یعنی الہیات، طبیعات اور ریاضیات کو سمجھنا، پرکھنا اور مان لینا، اور دوسری حکمت ہے حکمت عملی یعنی فرد، خانوادہ اور سماج کو مہذب بنانے کا طریقہ اور وسیلہ۔ الہیات کی بنیاد یہ ہے کہ کسی کے قول پر اعتبار کرکے دل سے اسے مان لینا جسے دوسرے لفظوں میں ایمان بھی کہا جاتا ہے۔ تفکر وتدبر، شعور وتعلق کے نتیجہ میں جس حقیقت واقعیہ کی طرف رسائی ہوتی ہے اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے کا نام ہی ایمان ہے۔

۱۔ ارشاد شیخ مفید

اسی ایمان کے بارے میں امامؑ نے اس طرح ذہن انسانی کو درست مقام تک پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ ایمان، اسلام سے ایک درجہ افضل ہے اور تقویٰ ایمان سے ایک درجہ افضل ہے اور بنی آدم کو یقین سے افضل کوئی چیز نہیں دی گئی ہے یعنی ان تمام مدارج میں یقین سب سے زیادہ بلند مقام پر فائز ہے۔

مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کا نام ہے ایمان زبان سے اقرار دل سے معرفت اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنے کا نام ہے۔

ایمان کے چار ارکان ہیں۔ التوکل علی الله، الراضی بالقدر والقضا، والتسلیم لامرا الله والتفویض الی الله الامة الساکنه ۔

توحید کے بارے میں امامؑ کی حکمت آمیز گفتگو : محمد بن زید طبری کہتا ہے کہ امام رضاؑ نے فرمایا کہ خدا کی عبادت کا آغاز اس کی معرفت ہے اور معرفت کی بنیاد اس کی توحید کی شناخت ہے اور نظام توحید یہ ہے کہ اس سے ہر حسد کی نفی کرتا ہے کیونکہ یہ عقل کا فیصلہ ہے کہ ہر مخلوق کا ضرور ایک خالق ہوتا ہے اور وہ خالق ایسا ہے کہ جو خود مخلوق نہیں ہے (ورنہ یا تو دور لازم آئے گا یا تسلسل جو حکماء اور فلاسفہ کے نزدیک باطل ہیں)

وہ ذات جس میں حدوث کی گنجائش نہیں ہے وہ ذات وہی ہے جو ازل سے ہے اور اس کے لئے عدم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ وہ لطیف ہے مگر جسمانی طاقت نہیں رکھتا۔ وہ موجود ہے مگر اس کا سابقہ کسی موجود سے نہیں۔ وہ فاعل ہے مگر بہ عنوان جبر نہیں۔ وہ اندازہ گیر ہے مگر کسی اندیشے کے تحت تدبیر نہیں کرتا، وہ مدید ہے مگر کسی حرکت کے ساتھ نہیں۔ وہ مرید ہے مگر اسے کسی عزم کی ضرورت نہیں۔ وہ سمیع ہے مگر کانوں کا حاجت مند نہیں۔ بصیر ہے مگر اسے آنکھوں کی ضرورت نہیں۔ وہ زمان ومکان سے ماورا ہے نہ اسے کبھی نیند آتی ہے۔ اسے مخلوق کے اوصاف کے ساتھ موصوف نہیں کیا جاسکتا اور آلات اس کی نہ مدد کرتے ہیں اور نہ کوئی نفع پہنچاتے ہیں۔ امام فرماتے ہیں کہ وہ ھوھو کی منزل میں ہے۔

اگر مخلوق کے صفات سے اسے متصف کیا جائے تو وہ خود کسی اور کے وجود پر موقوف ہو جائے گا اور یہ بات محال اور خلاف حق ہے[1]۔

۱۔ االدمعۃالساکبہ، جلد سوم، ص۲۱۱، ۱۲، ۱۳۲

حسین بن خالد کا بیان ہے کہ میں نے امام رضاؑ سے پوچھا کہ اے فرزند رسول لوگ رسول خدا کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت میں پیدا کیا ہے۔ امام نے فرمایا کہ انہوں نے حدیث کے پہلے حصہ کو چھوڑ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ دو آدمیوں کے پاس سے گزر رہے تھے جو آپس میں ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ خدا نے تیری شکل اور تیرے چہرے کو برا بنایا ہے تیری شکل کیسی ہے۔ آن حضرت نے اس موقع پر فرمایا: خدا کے بندے! اپنے بھائی کو ایسا نہ کہو کہ یہ صورت اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔

چونکہ حکمت کی ایک قسم طب بھی ہے اور بدن کی حفاظت اور اصلاح بھی انسانی زندگی کے وجود اور بقاء کے لئے انتہائی ناگزیر ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر انسان کا جسم بیمار ہوتا ہے تو اس کا اثر اس کی روح اور روحانی کیفیتوں پر بھی ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ امام رضاؑ جیسا حکیم امت اس پہلو سے چشم پوشی کرلیتا۔ اس لیے آپ نے مامون سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

... خدا نے بندوں کو امراض سے دوچار نہیں فرمایا مگر ان کی دوا کا علم بھی دے دیا۔ ہر درد کی دوا موجود ہے، انسان کا جسم ایک ملک کی مانند ہے۔ اس کا بادشاہ اس کا دل ہے اور رگیں، پاؤں، ہاتھ، ناک رعایا ہیں۔ بادشاہ کا محل اور زمین اس کے ہاتھ پاؤں، پیشانی، کان اور زبان ہیں۔ بادشاہ کے فرمان پر ہاتھ اشیاء کو نزدیک اور دور کرتے ہیں، پاؤں ادھر جاتے ہیں جدھر وہ انہیں لے جانا چاہتا ہے۔ بادشاہ سے جو چیز پنہاں ہے آنکھیں اس کی طرف رہ نمائی کرتی ہیں کیونکہ بادشاہ پردے کے اندر ہے، دو آنکھوں کے چراغ روشن ہیں۔ کان دو محافظ ہیں بادشاہ کے حکم کے بغیر نہ کسی چیز کو داخل کرتے ہیں نہ خارج، زبان بادشاہ کی ترجمان ہے۔ جو بادشاہ چاہتا ہے اس کے مقصد کی ترجمانی کرتی ہے۔

کھانے پینے کی اشیاء میں پاکیزگی کا خیال رکھا جائے اس سے بدن سلامت رہے گا۔ بدن کو میزان اعتدال پر برقرار رکھو۔ وہ غذا استعمال کرو جو ضرورت کے مطابق ہے ہرگز زیادہ نہ کھاؤ۔ جس نے ضروری غذا بدن کو نہیں فراہم کی اس نے غلط کیا اور بدن کو نقصان پہنچایا۔ جس نے بدن کی ضرورت کے مطابق کھانا کھایا اس نے بدن کی صحیح خدمت کی۔ خواہش رہتے ہوئے یعنی تھوڑی سی بھوک جب باقی رہ جائے تو کھانے سے ہاتھ اٹھالو۔ یہ بدن کے لئے درست اور معدہ کے لئے اچھا ہے۔ جسم درست اور ہلکا ہے، عقل بھی پاک رہتی ہے، ٹھنڈی اور سرد چیزوں کو گرمیوں میں اور گرم چیزوں کو ٹھنڈک میں استعمال کرو،

معتدل چیزوں کو موسم بہار اور موسم خزاں میں استعمال کرو۔ جس چیز کی طرف میلان ہے کھانے میں اسی چیز سے ابتدا کرو۔ ہلکی پھلکی غذا سے شروع کرو۔ ایک غذا اور دوسری غذا کے درمیان آٹھ گھنٹے کا وقفہ رکھو تو کھانا نقصان نہیں پہنچائے گا۔

امامؑ فرماتے ہیں کہ نیند انسان کے اعصاب پر مسلط ہوتی ہے اور جسم کو توانائی بخشتی ہے۔ سونے کا ارادہ کرو تو دائیں پہلو سوؤ پھر بائیں کروٹ لو کیونکہ دائیں پہلو سونے سے غذا ہضم ہوتی ہے۔ بائیں طرف کروٹ لینے سے معدے کے اوپر آ جاتا ہے اور سانس لینے میں آسانی کا باعث ہے۔[1]

۱۔ ماخوذ از ارشاد شیخ مفید الدمعۃ الساکبہ محمد باقر دہدشتی بہبہانی منتہی الامال شیخ عباس قمی۔